علامہ سید سلیمان ندویؒ اور ''خطبات مدراس''

مولانا عتیق احمد بستوی
استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر شہرۂ آفاق کتاب ''خطبات مدراس'' کی اشاعت پر ایک صدی گزر چکی ہے، خطبات مدراس کی پہلی اشاعت سن ۱۹۲۶ء کے آغاز میں ہوئی تھی، اور اب سن ۲۰۲۶ء چل رہا ہے، اس طرح اس عظیم تصنیف پر ایک صدی مکمل ہو چکی ہے، آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت نے اس موقعہ پر ''تجدید فکر و نظر کی ایک صدی اور صورت حال'' کے عنوان پر ایک کانفرنس اور سیمینار منعقد کرنے کا فیصلہ کی ہے، یہ کانفرنس آج ۸/ فروری ۲۰۲۶ء کو منعقد ہو رہی ہے، جس میں ہم سب شریک ہیں، اور ستم ظریفی یہ ہے کہ اس کانفرنس کا کلیدی خطبہ پیش کرنے کی ذمہ داری مجھ ناچیز کو دی ہے، جو کسی طرح اس کام کا اہل نہیں ہے، یہ بھی حسن ظن اور محبت کا کرشمہ ہے، اللہ تعالیٰ اس انتخاب کی لاج رکھنے کی توفیق دے، اور اپنے خصوصی فضل اور عنایت سے ایسے افکار و خیالات پیش کرنے کی توفیق دے جو سیمینار کے موضوع اور حالات کے تقاضے کے مطابق ہوں۔

علامہ سید سلیمان ندوی کی حیات خدمات اور کمالات پر بہت کچھ لکھا گیا ہے، ان کے بارے میں سب سے بڑا اور سب سے معتبر ماخذ ماہنامہ ''معارف'' کا ''سید سلیمان نمبر'' ہے جو ۱۹۵۵ء میں شائع ہوا تھا، اس نمبر میں ان کے معاصرین، دوستوں اور شاگردوں کے بڑے قیمتی معلومات افزا اور فکر انگیز مضامین ہیں جو حضرت سید سلیمان ندوی کی شخصیت، کمالات اور خدمات کا بڑی حد تک احاطہ کرتے ہیں، سید سلیمان ندوی کی حیات و خدمات کا دوسرا بڑا ماخذ ''مطالعۂ سلیمانی'' ہے جو دارالعلوم تاج المساجد بھوپال میں منعقد ہونے والے سہ روزہ سیمینار ۴ تا ۶ ستمبر ۱۹۸۵ء میں پیش کردہ مقالات کا عظیم و ضخیم مجموعہ ہے، جنہیں ڈاکٹر مسعود الرحمن خان ندوی اور ڈاکٹر محمد حسان خان ندوی نے مرتب کیا، اور دارالعلوم تاج المساجد بھوپال سے شائع ہوا، مطالعہ سلیمانی بھی بڑے قیمتی تحقیقی اور تاثراتی مضامین پر مشتمل ہے ، اور سید صاحب کی زندگی کے مختلف گوشوں اور ان کی دینی اور ملی خدمات کے مختلف ابواب پر روشنی ڈالتی ہے۔

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کمالات اور خدمات کی معرفت کے لیے تیسرا بڑا ماخذ ''افکار سلیمانی'' ہے، علامہ سید سلیمان ندوی پر ایک سیمینار ان کے شاگرد رشید حضرت مولانا مجیب اللہ ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے

اپنے ادارہ جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ میں منعقد کیا تھا، یہ سیمینار ۲۹ نومبر تا یکم دسمبر ۱۹۹۶ء میں منعقد کیا گیا اور اس میں پیش کردہ مقالات ندوۃ التالیف والترجمۃ جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ سے ''افکار سلیمانی'' کے نام سے شائع ہوئے، اس سیمینار میں احقر کی بھی شرکت ہوئی تھی اور مجھے ''علامہ سید سلیمان ندوی میری نظر میں'' کے موضوع پر ایک مقالہ پیش کرنے کی سعادت حاصل ہوئی تھی جو افکار سلیمانی میں شامل ہے، اس مضمون کی ابتدائی چند سطریں یہاں پیش کی جاتی ہیں:

''میرے ذہن و دماغ کی تشکیل میں جن مصنفین کی تحریروں کا نمایاں حصہ ہے ان میں سید الطائفہ حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا نام سرِ فہرست ہے، علامہ سید سلیمان ندوی کا کشور علم و تحقیق بڑا ہمہ گیر اور وسیع ہے، موصوف تاریخ و تذکرہ اور سیرت نگاری کے امام تھے، تفسیر، حدیث، فقہ کے ذخیرے پر بڑی وسیع اور عمیق نظر رکھتے تھے، قدیم و جدید فلسفہ اور علوم عقلیہ کے شناور تھے، علوم ادبیہ میں ان کی استاذی اور امامت مسلم تھی، جدید عصری علوم سے بھی ضروری حد تک واقف تھے، علم احسان و تصوف میں ان کا پایہ بہت بلند تھا، انہوں نے ہر علم و فن کے چمنستان میں اپنے نوک قلم سے خوش نما اور خوش رنگ پھول کھلائے اور ان کی تصنیفات کے سدا بہار پھولوں سے میدان بحث و تحقیق کا ہر گوشہ مزین اور معطر ہو گیا۔

عام طور پر ان کی تحریریں پرشور اور ہنگامہ خیز نہیں ہیں، بلکہ ان کے یہاں بحث و تحقیق کی گہرائی و گیرائی، اسلوب کی متانت و شرافت، ادب و انشاء کی حلاوت پائی جاتی ہے، جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں، موضوع پر پورے طور پر حاوی ہونے کے بعد قلم اٹھاتے ہیں الفاظ کا جادو جگا کر قارئین کو مسحور کرنے کے بجائے ٹھوس دلائل اور علمی تجزیہ و تنقید کے ذریعہ قارئین کو اپنا ہم خیال بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

بچپن میں سب سے پہلے ان کی شہرہ آفاق کتاب خطبات مدراس نے دل و دماغ کو اپنا اسیر بنایا، تقریر سیکھنے کے شوق میں اس کے دو تین خطبے زبانی یاد کر لئے، اس کتاب نے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و جامعیت کا ایسا نقش دل پر بٹھایا جس میں امتداد زماں کے ساتھ اضافہ ہی ہوتا چلا گیا، خطبات مدراس شوکتِ الفاظ، زور خطابت، انجاز نویسی کا شاہ کار ہے، سید صاحب نے سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سمندر کو خطبات مدراس کے کوزے میں بند کرنے کی انتہائی کامیاب کوشش کی ہے(۱)

خطبات مدراس پر کانفرنس اور سیمینار

آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت کی جانب سے خطبات مدراس کی اشاعت پر سو سال گزرنے کے موقعہ سے

مشارت نے کانفرنس اور سیمینار منعقد کرنے کا قصد کیا اور اس کا عنوان طے کیا، ''تجدید فکر ونظر کی ایک صدی اور موجودہ صورت حال'' کانفرنس اور سیمینار کے کنوینر پروفیسر اختر الواسع صاحب ہیں جو ایک عظیم دانشور اور ملک وملت کا درد رکھنے والے قدیم رہنما ہیں، انہوں اپنے تعارفی مکتوب میں اس کانفرنس اور سیمینار کا مقصد بہت اختصار اور وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ گفتگو کے آغاز میں اس کا بڑا حصہ نقل کیا جائے تاکہ اس کی روشنی میں اس کانفرنس اور سمینار میں گفتگو ہو، اور یہ کانفرنس اور سیمینار نتیجہ خیز ثابت ہو اور اس سے ملت اسلامیہ کو اور ملک کو رہنمائی حاصل ہو سکے۔

پروفیسر اختر الواسع صاحب زید مجدہم تحریر فرماتے ہیں:

> علامہ سید سلیمان ندویؒ کے خطبات مدراس برصغیر کی فکری وعلمی تاریخ کا وہ سنگِ میل ہیں جنہوں نے بیسوی صدی کے آغاز میں اسلام اور جدید ذہین کے درمیان پائے جانے والے فاصلوں کو دلیل، وقار اور حکمت کے ساتھ کم کیا، آج جب خطبات مدراس کی اشاعت کو سو سال مکمل ہو رہے ہیں، تو یہ موقع محض ایک تاریخی واقعہ کو یاد کرنے کا نہیں، بلکہ احتساب فکر وعمل اور تجدید نظر کا لمحہ بھی ہے۔
>
> یہ خطبات ایسے وقت میں دئے گئے تھے جب اسلام پر علمی، تاریخی اور تہذیبی اعتراضات شدت اختیار کر رہے تھے، سید سلیمان ندویؒ نے نہ صرف مستشرقین مغرب کے اعتراضات کا سنجیدہ اور مدلل جواب دیا بلکہ اسلامی فکر کو تاریخ، عقل اور اخلاقی اقدار کے ساتھ ہم آہنگ انداز میں پیش کیا، ان کی گفتگو میں روایت کی گہرائی بھی ہے اور جدید علمی اسلوب کی تازگی بھی، جو آج کے علمی منظرنامے میں بھی اسی طرح اہمیت کی حامل اور بامعنی (equally reboot) محسوس ہوتی ہے۔
>
> اس علمی مذاکرے کا مقصد ''خطبات مدراس'' کو محض ایک کلاسیکی متن کے طور پر دیکھنا نہیں بلکہ اس کی فکری معنویت، اسلوب استدلال اور عصری چیلنجز کے تناظر میں اس کی افادیت کو ازسرنو سمجھنا ہے، یہ کانفرنس ہمیں یہ سوچنے کی دعوت دے گی کہ کیا ہم آج بھی اسی فکری جرأت، علمی دیانت اور تہذیبی اعتماد کے ساتھ اسلام کا تعارف کرا پا رہے ہیں جس کی مثال علامہ شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی نے قائم کی تھی۔

خطبات مدراس چند علماء کی نظر میں

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھوپال کے سیمینار میں اپنے خطبہ صدارت میں تحریر فرمایا:

''خطبات مدراس'' کا نام آ گیا تو اتنا کہتا چلوں کہ میرے محدود علم میں کسی اسلامی زبان میں سیرت پر اتنی طاقتور، دل آویز اور ایمان آفرین کتاب دیکھنے میں نہیں آئی، اس میں سیرت کے کتب خانہ کا عطر آ گیا ہے اور تاریخی حقائق اور تقابلی مطالعہ، نفسیاتی تجزیہ، علم الاخلاق، علم الاجتماع اور پھر اپنی ادبیت اور خطیبانہ انشا پردازی کی آمیزش سے اس کی افادیت اور اس کی علمی قدر و قیمت میں ایسا اضافہ ہوا ہے کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ مسلمانوں اور سلیم الطبع جویائے حق غیر مسلموں کو دینے کے لئے اس سے بہتر کوئی تحفہ نہیں۔(۲)

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علہ کے شاگرد رشید اور ان کے جانشین مولانا شاہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ نے ماہانہ معارف کے سید سلیمان ندوی نمبر میں سید صاحبؒ کی دینی و علمی خدمات کا تعارف کراتے ہوئے خطبات مدراس پر جو کچھ لکھا ہے اس کے آغاز میں تحریر فرماتے ہیں:

''اسی سلسلہ کی دوسری اہم کتاب خطبات مدراس ہے، جو مدراس کے بعض دیندار مسلمانوں کی فرمائش پر ۱۹۲۵ء میں مدراس میں سیرت نبوی کے مختلف پہلوؤں پر دئے گئے تھے، جنہیں بعد میں کتابی شکل میں شائع کر دیا گیا، یہ کل ڈیڑھ سو صفحوں کی کتاب ہے، مگر اپنی معلومات کی وسعت، مباحث کی ندرت اور افادہ کے لحاظ سے سیرت کی ضخیم کتابوں پر بھاری ہے، اور تنہا یہ کتاب مصنف کے فخر کے لئے کافی ہے، اس میں ایک نئے نقطۂ نظر اور نئے اسلوب سے سیرت نبوی کے ان پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے، جن کی جانب بہت کم توجہ کی گئی ہے، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاریخی حیثیت، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جامعیت و قابلیت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے عملی پہلو پر اس طرح روشنی ڈالی گئی ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام میں ساری دنیا کے لئے دائمی نمونۂ عمل آپ ہی کی ذات مقدس ہو سکتی ہے۔''(۳)

اس کے بعد مولانا شاہ معین الدین ندویؒ نے چند صفحات میں آٹھوں خطبات کا تعارف کرانے کے بعد لکھا ہے:

''یہ خطبات مدراس کے خطبات کا اجمالی خلاصہ ہے جس سے اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے، درحقیقت یہ تنہا کتاب اسلام اور پیغمبر اسلام کی صداقت و عظمت اور دوسرے مذاہب پر اس کی برتری کے ثبوت کے لئے کافی ہے۔''(۴)

مولانا احمد عروج قادری مرحوم (ایڈیٹر ماہنامہ زندگی رامپور) نے حضرت مولانا علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ پر بھوپال میں ہونے والے سیمینار میں ''خطبات مدراس'' پر اپنے مضمون میں لکھا ہے:

علامہ ڈاکٹر سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے جو جامعیت عطا فرمائی تھی وہ کم لوگوں کو

ملتی ہے، تفسیر قرآن کے ماہر، دریائے حدیث کے شناور، دربار فقہ وقضاء کے صدر نشین، تاریخ وسیرت و سوانح کے چمپئین، عربی، فارسی اور اردو کے استاذ، شاعر وادیب، زبان داں اور خطیب، وقت کی سیاست کے رمز شناس، ملت اسلامیہ کے غم گسار، تقویٰ، طہارت، حلم، مروت اور شرافت کے پیکر، علم و عمل کے مرد میدان، کیا نہ تھے سید سلیمان ندویؒ۔

جس طرح انہوں نے اپنے استاد علامہ شبلی کی سوانح ''حیات شبلی'' لکھی تھی، ٹھیک اسی طرح ان کے شاگرد مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم ومغفور نے ''حیات سلیمان'' لکھ دی ہے، اس پر کوئی اضافہ آسان نہیں ہے، البتہ علامہ کے علمی کارناموں پر ابھی بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے۔

میں تو صرف یہ جانتا ہوں کہ وہ صرف ریاست بہار کے لعل شب چراغ نہ تھے، بلکہ پورے ملک کے گوہر نایاب تھے، میرے نزدیک ''خطبات مدراس'' بھی ان کا ایک ایسا علمی کارنامہ ہے، جسے بلا مبالغہ کوزے میں دریا کہا جاسکتا ہے، میں اس کتاب سے اس وقت واقف ہوا جب مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے درجۂ فاضل میں تعلیم حاصل کر رہا تھا، اس وقت سے سات آٹھ سال تک یہ کتاب میرا اوڑھنا بچھونا سی رہی ہے، اس کی متعدد عبارتیں میں نے زبانی یاد کر لی تھیں اور جب میں کسی سیرت کے جلسے میں اپنی تقریر کے درمیان انہیں دہراتا تھا تو تقریر میں جان آجاتی تھی، جب مجھے اس سہ روزہ مذاکرے میں شرکت کا دعوت نامہ ملا اور تعارف وتبصرہ کی کتابوں میں ''خطبات مدراس'' کا نام بھی نظر سے گزرا تو یہ مختصر کتاب میری نگاہوں کے سامنے آکھڑی ہوئی اور میں نے ارادہ کرلیا کہ اسی پر اپنے تاثرات مرتب کروں گا۔(۵)

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خطبات مدراس مرتب کرتے وقت اللہ تعالیٰ نے علامہ کے دل ودماغ میں ایک خاص روشنی اور ان کے قلم میں ایک خاص تاثیر عطا کردی تھی، کہ سرسری طور پر لکھے ہوئے یہ خطبات تحقیقی طور پر لکھے گئے بہت سے خطبات پر بازی لے گئے۔(۶)

آٹھوں خطبات کے موضوعات لکھنے کے بعد قادری صاحب رقمطراز ہیں:

یہ آٹھ تقریریں دراصل آٹھ کتابیں ہیں، خطبات مدراس میرے نزدیک صنعت ایجاز کا ایک نادر نمونہ ہے، اگر انھیں صنعت اطناب میں منتقل کیا جائے تو ہر خطبہ ایک کتاب بن سکتا ہے۔

ان تمام خطبوں کو پڑھنے کے بعد ان میں صاف طور پر ایک منطقی ربط محسوس ہوتا ہے، اگرچہ یہ خطبات علامہ نے سرسری طور پر مرتب کئے تھے، لیکن سوچ سمجھ کر اور غور وفکر کے بعد مرتب کئے تھے، ورنہ ان کے درمیان منطقی ربط وموجود نہ ہوتا۔(۷)

تقریباً ایک صفحہ خطبات کے درمیان پائے جانے والے منطقی ربط کی وضاحت کرنے کے بعد مولانا عروج قادری مرحوم لکھتے ہیں:

بلاشبہ سیرت النبی کی جلدیں اپنا ایک مستقل مقام رکھتی ہیں، اور وہ علوم شریعت کا ایک خزانہ ہیں، لیکن ''خطبات مدراس'' ایک دوسری ہی چیز ہے، تقریباً دوسو صفحات کی مختصر کتاب میں دل نشیں دلائل کے ساتھ یہ ثابت کیا گیا ہے کہ محمد عربی کا دامن تھامے بغیر نہ انسانیت کی تکمیل ہوسکتی ہے، اور نہ اسے سکون مل سکتا ہے، صرف پیغمبر اسلام کا پیغام ہی فلاح دارین کا مژدہ سناتا ہے اور صرف اسی پر عمل دنیا اور آخرت میں کامیابی کا واحد وسیلہ ہے۔(۸)

حضرت مولانا سعید اکبر آبادی معارف سید سلیمان نمبر میں سید صاحب کا مقام ومرتبہ واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بہرحال اس گذارش کا مقصد یہ ہے کہ مولانا علماً وعملاً، صورۃً وشکلاً، ظاہراً وباطناً ایک عالم دین تھے، انھوں نے جو کچھ کیا اسی حیثیت سے کیا، اور اپنے عالمانہ وقار کو ہر جگہ اور ہر موقع پر برقرار رکھا، اس بنا پر طبقۂ علماء کو ان کا خاص طور پر ممنون اور شکر گذار ہونا چاہئے کہ ان کے ایک فرد فرید نے یونیورسٹیوں کی علمی مجلسوں ہسٹارنکل کانگریس کے اجلاسوں اور ادبی وتحقیقاتی اداروں کے جلسوں کی صدارت کرکے اور اسلامی علوم وفنون کے علاوہ دوسرے علمی و ادبی تاریخی اور سیاسی مسائل ومباحث پر محققانہ تصنیفات ومقالات لکھ کر صرف اپنے آپ کو سرفراز وسربلند نہیں کیا، بلکہ تعلیم جدید کے حضرات کے دل ودماغ پر پورے طبقۂ علماء اور مدارس عربیہ کی علمی وتحقیق سیادت کا نقش ثبت کردیا۔(۹)

خطبات مدارس کا پس منظر

بہتر ہے کہ خطبات مدراس کے اجمالی پس منظر کو خود صاحب خطبات علامہ سید سلیمان ندویؒ کے قلم سے پڑھ لیا جائے، علامہ سید سلیمان ندویؒ نے خطبات مدارس کے دیباچۂ طبع اول میں اس کے پس منظر اور محرکات پر روشنی ڈالی ہے، اسے یہاں نقل کیا جاتا ہے:

آئندہ صفحات میں سیرت نبوی کے مختلف پہلوؤں پر چند خطبات (لکچرز) ہیں جو جنوبی ہند کی اسلامی تعلیمی انجمن کی فرمائش سے اکتوبر اور نومبر ۱۹۲۵ء میں دئے گئے تھے، مدراس میں کچھ برسوں سے ایک امریکن عیسائی کی فیاضی سے مدراس یونیورسٹی کے طلبہ کے سامنے کوئی نہ کوئی ممتاز عیسائی فاضل حضرت مسیح علیہ السلام کی سوانح اور مسیحی مذہب کے متعلق چند عالمانہ خطبے دیتا ہے، یہ خطبے سال بہ سال ہوتے

ہیں، اور نہایت دلچسپی سے سنے جاتے ہیں، یہ دیکھ کر مدراس کے چند مخلص تعلیمی کارفرما مسلمانوں کے دلوں میں یہ خیال آیا کہ یہاں کے انگریزی مدارس کے مسلمان طالب علموں کے لئے بھی مسلمانوں کی طرف سے اسی قسم کی کوشش کی جائے، یعنی سال بہ سال کسی مسلمان فاضل کی خدمات حاصل کی جائیں جو اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ پر طلبہ سے انگریزی کے ذوق اور موجودہ رنگ کے مطابق خطبات دے سکے۔

خوش قسمتی سے اس کام کے مالی پہلو کی کفالت کے لئے مدراس میں ایک ایسی ہستی مل گئی جس نے ہر طرح اس کی ضمانت کرلی، یہ سیٹھ ایم جمال محمد صاحب کی ذات تھی، جن کی فیاضی سے مدراس کی متعدد تعلیمی درسگاہیں سیراب ہورہی ہیں، اور امید ہے کہ موصوف کا اسلامی درد اس سلسلہ کوتادیر قائم رکھنے کی تدبیر میں آئندہ بھی مصروف رہے گا اور خطبات اسلامیہ مدراس کا یہ سلسلہ یورپ کے مشہور خطبات کے سلسلوں کی طرح بہت مفید اور شہرت پذیر ہوگا۔(۱۰)

ان خطبات کی ترویج واشاعت، اور تمام طبقوں تک انھیں پہنچانے کے لئے میزبانوں نے جو جدوجہد اور کاوشیں کیں اور مدراس کے اردو اور انگریزی اخبارات نے جو اہتمام کیا اس کا تذکرہ بھی علامہ سید سلیمان ندوی نے بڑی احسان شناسی اور ممنونیت کے ساتھ کیا ہے، انھوں نے لکھا ہے:

یہ میری سعادت ہے کہ اس اہم اور مقدس کام کے لئے سب سے پہلے میری حقیر ذات کا انتخاب عمل میں آیا، اور اس طرح مجھے موقع ملا کہ میں اس عظیم الشان سلسلہ کی پہلی کڑی بن سکوں، یہ خطبے مدراس کے لالی ہال میں بعد مغرب ہر ہفتہ اور بعض ہفتہ میں دو دفعہ دئے گئے اور اسی طرح یہ آٹھ خطبے اکتوبر ۱۹۲۵ء کے پہلے ہفتہ سے شروع ہوکر نومبر ۱۹۲۵ء کے اخیر ہفتہ میں ختم ہوئے، سیٹھ حمید حسن صاحب ناظم مجلس کا شکر گذار ہوں کہ ان خطبات کے لئے ہر قسم کا اہتمام، اعلان اور ان کے انگریزی ترجمہ کا کام انھوں نے انجام دیا، مدراس کی مسلمان پبلک کا ممنون ہوں کہ اس خشک بیان کو جو کبھی دو دو اور تین تین گھنٹے تک جاری رہا، انھوں نے صبر وتحمل سے سنا اور اس کی قدر کی، غیر مسلم اصحاب بھی شکریہ کے مستحق ہیں جنھوں نے باوجود اردو آسانی سے نہ سمجھ سکنے کے حقیقت کی جستجو کے لئے جلسوں میں شرکت کی۔

مدراس کے اردو اور انگریزی اخبارات کا بھی شکرگزار ہوں جنھوں نے ہر ہفتہ ان خطبوں کا خلاصہ اپنے کالموں میں شائع کیا، اخبار ہندو اور ڈیلی اکسپریس مدارس خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں، جنھوں نے فیاضی کے ساتھ اپنے کالم خطبوں کی انگریزی تلخیص کی اشاعت کے لئے وقف کئے۔

آخر میں ان خطبات کو اوراق کی شکل میں ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہوئے درگاہ الٰہی میں سربہ سجود ہوں کہ وہ اس عقیدت کے نذرانہ کو قبول فرمائے اور اخلاص وتوفیق کی نعمت سے ان کے محرر کو مالا مال کرے۔(۱۱)

سیرت نبوی کے موضوع پر علامہ سید سلیمان کے مطالعہ وتحقیق کی گہرائی اور وسعت

علامہ سید سلیمان ندویؒ کی ابتدائی تعلیم وتربیت اگرچہ صوبۂ بہار کے مدارس میں ہوئی، انھوں نے خانقاہ مجیبیہ بہار کے مدرسہ میں اور مدرسہ امدادیہ دربھنگہ میں عربی کے ابتدائی درجات کی تعلیم حاصل کی، ''حیات سلیمان'' میں ان کے اس دور کی تفصیلات موجود ہیں، ۱۹۰۱ء میں حضرت سید صاحبؒ نے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ لیا، اور یہاں کے نامور اساتذہ سے تعلیم حاصل کی، ان کے نامور اساتذہ میں مولانا فاروق چریا کوٹیؒ بھی تھے جو علامہ شبلی نعمانی کے بھی استاذ تھے، ۱۹۰۴ء میں علامہ شبلی نعمانی دارالعلوم ندوۃ العلماء تشریف لائے، اور دارالعلوم کے تعلیمی نظام کو بہتر بنانے میں مشغول ہوگئے، فروری ۱۹۰۵ء میں حیدرآباد کی ملازمت سے استعفیٰ دے کر مستقل طور پر ندوۃ العلماء اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کی خدمات انجام دینے کا فیصلہ کرلیا، اس وقت علامہ سید سلیمان ندوی تعلیم کی تکمیل کررہے تھے، اور دارالعلوم کے ہونہار اور ممتاز طلبہ میں شمار کئے جاتے تھے، علامہ شبلی کے ندوۃ العلماء آنے بعد سید صاحب ان کے دامن علم وفضل سے وابستہ ہوگئے اور علامہ شبلی کی تربیت اور فیض صحبت نے ان کی صلاحیتوں کو نکھارا اور چمکایا، استاذ گرامی نے اپنے اس لائق شاگرد کی حوصلہ افزائی اور اصلاح وتربیت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور ان کے لئے بہتر سے بہتر مواقع فراہم کرنے کی کوشش کی۔

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصنیف کا عظیم منصوبہ علامہ شبلیؒ کے علمی کاموں کا آخری پڑاؤ تھا، انھوں نے عزم کیا تھا کہ سیرت نگاری کے روایتی انداز سے ہٹ کر سیرت نبوی پر ایک ایسی کتاب تیار کی جائے جس میں سیرت کے واقعات اور روایات کی پوری فنی تحقیق ہو، رطب ویابس روایتوں کو ان میں جگہ نہ دی جائے، اور مستشرقین نے خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت وکردار اور آپ کی تعلیمات پر جو اعتراضات کئے ہیں اور پروپیگنڈہ کی جو مہم چلائی ہے ان کا بھی اطمینان بخش علمی اور تحقیقی جواب دیا جائے تاکہ سیرت خیر الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوری کائنات معطر ہو، اور شبہات اور غلط فہمیوں کا ازالہ ہو۔

علامہ شبلی نعمانیؒ نے نومبر ۱۹۱۴ء میں وفات پائی، وہ سیرت النبی کی دو جلدوں کا کام بڑی حد تک مکمل کرچکے تھے، لیکن ان کے منصوبہ کے مطابق کام ابھی بہت باقی تھا، اور ابتدائی دو جلدیں بھی مکمل طور پر تیار نہیں ہوئی تھیں، اس وقت علامہ سید سلیمان ندویؒ پونہ کالج میں استاذ تھے، استاذ کی شدید علالت کی خبر پاکر اعظم گڑھ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، علامہ شبلی کی زندگی کے آخری لمحات تھے، سید صاحب لکھتے ہیں:

معاہدہ کے طور پر میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا: ''سیرت میری تمام عمر کی کمائی ہے، سب

کام چھوڑ کر سیرت تمام کرو''، میں نے بھرّائی ہوئی آواز میں کہا: ضرور بالضرور۔

واقعہ یہ ہے کہ علامہ سید سلیمان ندویؒ سیرت کے کام میں استاذ کی زندگی میں بھی ان کے شریک اور معاون تھے، لیکن ان کی وفات کے بعد استاذ گرامی کے لگائے ہوئے گلستان ''دارالمصنفین'' کو خاص طور سے سیرت النبی کے موضوع پر ان کے عظیم منصوبہ کو اپنا مقصد زندگی بنالیا، اور پوری وفاداری او راستقامت کے ساتھ سیرۃ النبی کے کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا اور سیرت نبوی کے سمندر میں غوطہ لگا کر خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت، تعلیمات و ہدایات کا ایسا بے مثال مجموعہ تیار کیا جو کتب سیرت میں نمایاں ترین مقام رکھتا ہے۔

علامہ شبلی نعمانیؒ کے منصوبہ کے مطابق بلکہ اس سے بڑھ کر انھوں نے سیرت اور اس سے متعلق علوم وفنون کا بڑی وسعت اور گہرائی سے مطالعہ کیا، سیرت نبوی کے حوالہ سے جو بھی اعتراضات اور اشکالات اور بہتان تراشیاں مستشرقین اور ان کے شاگردوں کی طرف سے کی جارہی تھیں، ان کا تنقیدی بصیرت کے ساتھ جائزہ لیا اور سب کے اطمینان بخش جوابات تحریر فرمائے۔

سیرۃ النبی کی ساتویں جلد نامکمل رہی، اور اسی حالت میں بہت بعد میں شائع ہوئی، اگر سید سلیمان ندویؒ کے قلم سے اس کی تکمیل ہوجاتی تو سیرت نبوی کے سیاسی پہلو اور اسلام کے نظام حکمرانی پر ایک جامع کتاب ہوتی، لیکن سید صاحبؒ جلد ہفتم میں جتنا کچھ بھی لکھ سکے ہیں وہ اپنے موضوع پر بہت فکر انگیز اور راہنما تحریر ہے، کاش کہ کوئی صاحب نظر اس کی تکمیل کرتا اور سیرت نبوی کے اس گوشہ کو مزید نکھارتا۔

علامہ سید سلیمان ندوی سے جب یہ فرمائش کی گئی کہ وہ مدراس میں یونیورسٹیز اور کالجز کے مسلم نوجوانوں اور تعلیم یافتہ نومسلموں کے لئے سیرت نبوی پر لکچر (خطبات) تیار کریں، جو سیرت نبوی کے نقوش اور روشن پیغام کو نمایاں کریں جن سے سیرت نبوی پر کئے جانے والے اعتراضات کا جواب اور غلط فہمیوں کا ازالہ ہو تو سید صاحب نے سیرت نبوی پر اپنے وسیع مطالعہ اور تصنیفی کام کی روشنی میں ایسے آٹھ خطبات تیار کئے جو ان کے مطالعۂ سیرت کا خلاصہ اور حاصل ہیں، اور انھوں نے بلاشبہ سیرت نبوی کے سمندر کو خطبات کے کوزے میں پیش کرنے کی بڑی کامیاب کوشش کی۔

خطبات مدراس مختصر ہونے کے باوجود علامہ سید سلیمان ندوی کی شاہکار تصنیف ہے، ان خطبات کا اسلوب بھی سید صاحب کی دیگر تصانیف سے کافی مختلف ہے، ان میں آورد کے بجائے آمد ہے اور عجیب قسم کا البیلا پن اور دلکشی ہے، اس کی سطر سطر سے حب نبوی، غیرت دینی، حمیت اسلامی، قوتِ استدلال، اور ژرف نگاہی ہویدا ہے، اللہ کی خصوصی مدد اور تائید سے یہ خطبات لکھے گئے ہیں، سیرت نبوی کے لٹریچر میں ایسی تحریریں بہت کم ملیں گی، جن میں اس قدر تاثیر، دل گدازی اور رعنائی ہو، ایسی تحریروں اور کتابوں کا فیض ہر دور میں جاری رہتا ہے اور انسانیت ان سے

فائدہ اٹھاتی ہے۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ کے یہ خطبات آٹھ خطبوں کا مجموعہ ہے، آٹھ خطبات کے موضوعات درج ذیل ہیں:

پہلا خطبہ:	انسانیت کی تکمیل صرف انبیاء کی سیرتوں سے ہوسکتی ہے
دوسرا خطبہ:	عالمگیر اور دائمی نمونۂ عمل صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت ہے
تیسرا خطبہ:	سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تاریخی پہلو
چوتھا خطبہ:	سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تکمیلی پہلو
پانچواں خطبہ:	سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جامعیت
چھٹا خطبہ:	سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عملیت یا عملی پہلو
ساتوں خطبہ:	پیغمبر اسلام علیہ السلام کا پیغام
آٹھواں خطبہ:	پیغام محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

خطبات مدراس کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی مقبولیت سے نوازا، ۱۹۲۶ء جو اس کی اشاعت کا پہلا سال تھا، دارالمصنفین اعظم گڑھ سے اس کے تین ایڈیشن شائع ہوئے اور ہاتھوں ہاتھ نکل گئے۔

دیباچۂ طبع سوم کے اخیر میں علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> یہ خطبات پہلے پہل ۱۹۲۶ء میں میری غیر حاضری میں جبکہ میں حجاز میں تھا میرے کٹے پٹے مسودہ سے چھپے، دوسری دفعہ بھی یہی ہوا، اب اس تیسرے ایڈیشن میں موقع ملا کہ اس پر نظر ثانی کی جائے، اس پر بھی یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ ایک عاجز انسان کی ہر جنبش قلم، اعتراض اور حرف گیری سے پاک ہوسکتی ہے، ربنا لاتؤاخذنا ان نسینا او اخطأنا۔
>
> خاکسار
>
> سید سلیمان ندوی
>
> ۲۷/شعبان ۱۳ھ
>
> ۱۴/نومبر ۱۹۲۶ء (۱۲)

خطبات مدراس سے چند اقتباسات

خطبات مدراس کا ہر پیراگراف اعجاز علمی و ادبی کا بہترین نمونہ ہے، تمام خطبات اس معیار کے ہیں کہ انھیں بار بار فکر و تدبر کے ساتھ پڑھا جائے اور دل و دماغ میں انھیں بسالیا جائے، چند اقتباسات بطور نمونہ پیش خدمت ہیں:

ایک نکتہ کی طرف آپ کی توجہ کو اور ملتفت کرنا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جو لوگ ابتداء

ایمان لائے وہ دریا کے کنارے کے ماہی گیر نہ تھے، وہ مصر کی محکوم اور غلام قوم کے افراد نہ تھے، بلکہ ایک ایسی آزاد قوم کے افراد تھے جو اپنی عقل و دانش کے لحاظ سے ممتاز تھی اور جس نے ابتدائے آفرینش سے آج تک کبھی کسی کی اطاعت نہیں کی تھی، وہ لوگ تھے جن کے تجارتی کاروبار ایران، شام، مصر اور ایشائے کوچک تک پھیلے ہوئے تھے، ان میں وہ لوگ تھے جن کی دقیقہ سنجی، نکتہ رسی اور عقل و ذہانت کے ثبوت، مسائل اور احکام کی صورت میں آج بھی موجود ہیں، ان میں وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے بڑی بڑی فوجوں کا فاتحانہ مقابلہ کیا اور دنیا کے مشہور سپہ سالاروں میں داخل ہیں، ان میں وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے ملکوں پر فرمانروائیاں کیں اور حکومت کے نظم و نسق کی بہترین قابلیت کا اظہار کیا۔

کیا ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی یہ تصور کر سکتا ہے کہ ایسے پر زور، قوی بازو اور دانایان روزگار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حال چھپا رہ سکتا تھا اور وہ دھوکا کھا سکتے تھے؟ بلکہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک جنبش کی نقل کی ہے اور جو آپ کے ایک ایک نقش قدم پر چلنا اپنی سعادت سمجھتے تھے، یہ آپ کی کاملیت کی ناقابل تردید دلیل ہے۔

(خطبات مدراس ۸۴ و ۸۵ تیسرا ایڈیشن)

''جامعیت'' کے خطبے میں لکھتے ہیں:

غرض ایک ایسی شخصی زندگی جو ہر طائفہ انسانی اور ہر حالت انسانی کے مختلف مظاہر اور ہر قسم کے صحیح جذبات اور کامل اخلاق کا مجموعہ ہو، صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے، اگر دولت مند ہو تو مکہ کے تاجر اور بحرین کے خرینہ دار کی تقلید کرو، اگر غریب ہو تو شعب ابی طالب کے قیدی اور مدینہ کے مہمان کی کیفیت سنو، اگر تم بادشاہ ہو تو سلطان عرب کا حال پڑھو، اگر رعایا ہو تو قریش کے محکوم کو ایک نظر دیکھو، اگر فاتح ہو تو بدر و حنین کے سپہ سالار پر نظر کرو، اگر تم نے شکست کھائی ہے تو معرکۂ احد سے عبرت حاصل کرو، اگر تم استاد اور معلم ہو تو صفہ کی درس گاہ کے معلم قدس کو دیکھو، اگر شاگرد ہو تو روح الامین کے سامنے بیٹھنے والے پر نظر جماؤ، اگر واعظ اور ناصح ہو تو مسجد مدینہ کے ممبر پر کھڑے ہونے والے کی باتیں سنو، اگر تنہائی اور بے کسی کے عالم میں حق کے منادی کا فرض انجام دینا چاہتے ہو تو مکہ کے بے یار و مددگار نبی کا اسوہ حسنہ تمہارے سامنے ہے، اگر تم حق کی نصرت کے بعد اپنے دشمنوں کو زیر اور اپنے مخالفوں کو کمزور بنا چکے ہو تو فاتح مکہ کا نظارہ کرو، اگر تم اپنے کاروبار اور دنیاوی جد و جہد کے نظم و نسق کو درست کرنا چاہتے ہو تو بنی نضیر، خیبر اور فدک کی زمینوں کے مالک کے کاروبار اور نظم و نسق کو دیکھو، اگر تم یتیم ہو تو عبداللہ اور آمنہ کے جگر گوشہ کو نہ بھولو، اگر بچے ہو تو حلیمہ سعدیہ کے لاڈلے بچے کو

دیکھو، اگر تم جوان ہو تو مکہ کے چرواہے کی سیرت پڑھو، اگر سفری کاروبار میں ہو تو بصری کے کارواں سالار کی مثالیں ڈھونڈو، اگر عدالت کے قاضی اور پنچائتوں کے ثالث ہو تو کعبہ میں نور آفتاب سے پہلے داخل ہونے والے ثالث کو دیکھو، جو حجر اسود کو کعبہ کے ایک گوشہ میں کھڑا کر رہا ہے، مدینہ کی کچی مسجد کے صحن میں بیٹھنے والے منصف کو دیکھو جس کی نظر انصاف میں شاہ و گدا اور امیر وغریب برابر تھے، اگر تم بیویوں کے شوہر ہو تو خدیجہؓ اور عائشہؓ کے مقدس شوہر کی حیات پاک کا مطالعہ کرو، اگر اولاد والے ہو تو فاطمہؓ کے باپ اور حسنؓ اور حسینؓ کے نانا کا حال پوچھو، غرض تم جو کوئی بھی ہو اور کسی حال میں بھی ہو، تمہاری زندگی کے لئے نمونہ، تمہاری سیرت کی درستی و اصلاح کے لئے سامان، تمہارے ظلمت خانے کے لئے ہدایت کا چراغ اور رہنمائی کا نور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت کبریٰ کے خزانے میں ہر وقت اور ہمہ دم مل سکتا ہے۔(خطبات مدراس ۹۶، ۹۷، تیسرا ایڈیشن)

آخری خطبے کی ایک عبارت تمام مسلمانوں خصوصا نوجوانوں کے لئے پیغام جہد و عمل ہے:

نوجوانو! مجھے صفائی کے ساتھ یہ کہنے دو کہ خاموشی، سکون، خلوت نشینی اور منفردانہ زندگی اسلام نہیں ہے، اسلام جدوجہد، سعی و عمل اور سرگرمی ہے، وہ موت نہیں حیات ہے، اس کا فرمان:

لیس للانسان إلا ما سعی (نجم)		ترجمہ: انسان کے لئے وہی ہے جو کوشش کرے

اور

کل نفس بما کسبت رهينة (مدثر)		ترجمہ: ہر جان اپنے کام کے ہاتھوں گروی ہے۔

اسلام سر تا پا جہاد اور مجاہدہ ہے، لیکن خلوت میں بیٹھ کر نہیں بلکہ میدان میں نکل کر، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تمہارے سامنے ہے، خلفائے راشدینؓ کی زندگی تمہارے سامنے ہے، عام صحابہؓ کی زندگی تمہارے سامنے ہے، وہی تمہارے لئے نمونہ ہے اور اسی میں تمہاری نجات ہے اور وہی تمہارا ذریعۂ فلاح ہے اور وہی ترقی اور سعادت کی راہ ہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام بودھ کے پیغام کی طرح ترکِ خواہش نہیں ہے، بلکہ تصحیح خواہش ہے، پیغام محمدی حضرت مسیح کے پیغام کی طرح دولت اور قوت کی تحقیر اور ممانعت نہیں ہے، بلکہ ان کے حصول اور صرف کے طریقوں کی درستی اور اس کے صحیح استعمال اور مصرف کا تعین ہے۔

دوستو! ایمان اور اس کے مطابق عمل صالح یہی اسلام ہے، اسلام عمل ہے ترکِ عمل نہیں، ادائے واجبات ہے ترک واجبات نہیں، ادائے فرض ہے ترک فرض نہیں، اس عمل اور ان کے واجبات وفرائض کی تشریح تمہارے پیغمبر کی زندگی اور سیرت میں ملے گی، صحابہؓ کی زندگی اور سیرت میں ملے گی، جس کا نقشہ یہ ہے: **محمد رسول الله و الدين**

معه أشداء على الكفار رحماء بينهم تراهم ركعا سجداً يبتغون فضلاً من الله ورضوانا. (الفتح ۲۴)
(خطبات مدراس ۱۹۹، ۲۰۰، تیسرا ایڈیشن)

سید صاحب کی خطبات انگریزی زبان میں پیش کرنے کی خواہش

علامہ سید سلیمان ندوی نے مدراس میں سیرت پر اپنا پہلا خطبہ پیش کرتے ہوئے سیرت نبوی پر اپنے محاضرات کے موضوعات کا تعارف کرانے کے بعد اپنا پہلا خطبہ پیش کرنے سے پہلے جس کا موضوع تھا ''انسانیت کی تکمیل صرف انبیاء کرام کی سیرتوں سے ہوسکتی ہے'' فرمایا تھا:

> ''حضرات میں اس وقت آپ کے سامنے اردو میں تقریر کر رہا ہوں، گو اردو زبان نے ہندوستان میں اس درجہ ترقی کرلی ہے کہ وہ ملک کے ہر گوشہ میں بولی اور سمجھی جاتی ہے، تاہم میں محسوس کرتا ہوں کہ مدراس کے لئے یہ مناسب تھا کہ یہ لکچر انگریزی میں ہوتے تاکہ ان کے فائدہ کا دائرہ زیادہ وسیع ہوتا، اور وہ بھی اس میں شریک ہوسکتے اور دلچسپی لے سکتے، جو اردو بالکل نہیں سمجھتے یا پوری طرح نہیں سمجھتے، اسی سے یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ علماء پر آج انگریزی کا جاننا بھی فرض ہوگیا ہے، خدا کرے وہ دن آئے جب ہمارے علماء خدا کے پیغام کو خدا کی ہر بنائی ہوئی زبان میں دنیا کو پہنچا سکیں۔ (۱۳)

علامہ سید سلیمان ندوی نے اپنے پہلے خطبۂ سیرت کی تمہید میں انگریزی زبان کے حوالہ سے جس ضرورت اور تأثر کا اظہار کیا ہے اور اس کے اخیر میں جو دعا کی ہے:

> ''خدا کرے کہ وہ دن آئے جب ہمارے علماء خدا کے پیغام کو خدا کی ہر بنائی ہوئی زبان میں دنیا کو پہنچا سکیں''

یہ تأثر اور دعا آج بھی تشنۂ تکمیل ہے، اور علماء پر دین کی تبلیغ ودعوت اور دینی حقائق کی ترجمانی کے لئے عالمی، ملکی اور علاقائی زبانوں کو سیکھنے اور ان میں مہارت پیدا کرنے کی جس ضرورت اور فرضیت کا احساس علامہ سید سلیمان ندویؒ اور ان کے بعض معاصر علماء کو شدت سے تھا کاش کہ اس سلسلہ میں ہمارے مدارس اور دینی ادارے توجہ کرتے، اور جن ممالک اور خطّوں میں علماء سے خدمت دین اور دفاع دین کا کام لینا ہے وہاں کی زبانوں، وہاں کی تاریخ اور نفسیات سے علماء کو نہ صرف واقف کرنے بلکہ ان میں مہارت پیدا کرانے کی کوشش کی جاتی، جس وقت علامہ سید سلیمان ندوی نے مدراس میں یہ خطبے پیش کئے تھے اس وقت ان کی عمر چالیس سال سے متجاوز تھی، وفد خلافت میں شریک ہوکر جب انہوں نے مختلف ملکوں کا سفر کیا اس وقت ان کی عمر تقریبا ۳۵ سال تھی، دورانِ سفر انہوں نے اپنے دوستوں اور بعض بزرگوں کو جو خطوط لکھے جن کا مجموعہ ''برید فرنگ'' کے نام سے شائع ہوا ان خطوط میں جگہ جگہ یہ تأثر

بہت شدت سے جھلکتا ہے کہ کاش ہمیں انگریزی زبان پر قدرت ہوتی تو براہ راست فرانس اور برطانیہ کے مفکرین اور سیاست دانوں سے ان کی زبان میں بات کرتے۔

مولانا مسعود علی رحمہ اللہ علیہ کے نام ایک مفصل خط میں جو یکم اپریل ۱۹۲۰ء کو لکھا گیا، لندن میں ہونے والے ایک مباحثے کا تفصیلی ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میری حالت ایسے موقعہ پر دیکھنے کے لائق ہوتی ہے، اگر انگریزی نہ سمجھتا تو کچھ الجھن نہ ہوتی، لیکن ماشاء اللہ انگریزی اب بول لیتا ہوں سمجھ لیتا ہوں، لیکن تقریر پر قدرت نہیں رکھتا، اس لئے طبیعت میں اس قدر الجھن ہوتی ہے کہ حد بیان سے باہر ہے، کبھی تقدیر کو کوستا ہوں کبھی اپنی گذشتہ کوتاہیوں پر ماتم کرتا ہوں کہ کیوں طالب علمی میں انگریزی میں محنت نہ کی۔''(۱۴)

انگریزی زبان کی تعلیم اور اس میں مہارت کے حوالے سے مختلف بڑے علماء کو بار بار خیال آیا اور اس کی ضرورت کا احساس شدت سے ہوا، چنانچہ علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے مایۂ ناز شاگرد اور علماء کے سرخیل تھے انھیں بھی شدت سے اس کا احساس ہوا، انہوں نے اپنے ایک رفیق درس اور دوست حضرت مولانا محمد امین صاحب (بانی مدرسہ امینیہ، دہلی) کے نام اپنے ایک خط میں بڑے درد اور شدت احساس کے ساتھ اس کا ذکر کیا، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

اب وہ وقت ہے کہ ہمارے علماء نیند سے جاگیں اور قوم کو جگائیں اور بٹھائیں اور اٹھائیں اور چلتا کریں ورنہ سب کا خون ان کی گردن پر ہوگا۔۔۔۔نظر بحالت زمانۂ اول مہتم مجھ کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ علماء زبان انگریزی سے ضرور واقف ہوں، اور جب تک یہ اس زبان سے واقف نہ ہوں گے اس باب میں کام نہیں لے سکتے۔

میری اگر کوئی سنتا تو مدرسہ اسلامیہ میں اول اس ضرورت کو پورا کرنا چاہیئے تھا تاکہ طلبہ اس سے محروم نہ رہے ہوتے اور پھر ان سے کچھ دینی اور قومی خدمتوں کی توقع ہوئی، مگر نقار خانہ میں طوطی کی صدا پہنچتی نہیں۔

کشمیر میں بعض اسلامی مدارس میں اس بات کی رعایت ہوگئی ہے، آئندہ میں اللہ تعالیٰ وہ کرے جس سے خیر متعدی ہو، میں خود چاہ رہا ہوں کہ اس زبان کو سیکھوں مگر موقع نہیں ملتا۔(۱۵)

افسوس ہے کہ ہمارے مدارس کو اس اہم میدان کی جانب حسب ضرورت خاطر خواہ توجہ نہیں ہے، ہمارے بہت سے مدارس میں انگریزی زبان کو شامل نصاب کیا گیا، لیکن اس کی حیثیت ثانوی مضمون کی ہے، طلبہ اس کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دیتے اور ذمہ داران مدارس ایسی تدابیر اختیار نہیں کرتے کہ طلبہ اس عالمی زبان کو اہمیت کے ساتھ

پڑھیں، اس میں محنت کریں اور کمال پیدا کریں۔

بہت سی دینی، دعوتی، اسلامی ذمہ داریوں کو انجام دینے کے لیے اور ہر زمانے کے مسائل وسوالات کا تحقیق و تجزیہ کرنے کے لیے انگریزی زبان جو عالمی زبان ہے، اس میں مہارت اور عبور ضروری ہے، اسی طرح دنیا کی اور وہ زبانیں جو متعدد ممالک اور براعظموں میں بولی اور سمجھی جاتی ہیں، یا ان میں علوم وفنون کا بڑا ذخیرہ ہے، ان میں مہارت پیدا کرنا اور اسلامی افکار وخیالات، عقائد واحکام کو ان میں منتقل کرنا ہماری بہت بڑی ضرورت ہے، اس کی طرف پوری توجہ نہیں دی جاسکی، پوری منصوبہ بندی اور فکرمندی کے ساتھ اس کام کی انجام دہی ہمارا دینی، ملی اور انسانی فریضہ ہے، اسلام کے پیغام کو اور قرآن وسنت کی تعلیمات کو مؤثر انداز میں تمام ممالک اور تمام زبانوں میں پیش کرنا امت مسلمہ خصوصاً علماء کرام کی ذمہ داری ہے، مسئلہ صرف انگریزی زبان تک محدود نہیں ہے، دنیا میں بولی جانے والی تمام زبانیں اللہ کی پیدا کی ہوئی ہے، اور مختلف اقوام کے لوگ اور مختلف ملکوں کے لوگ الگ الگ زبانوں میں بات کرتے ہیں اور اپنے مافی الضمر کو ادا کرتے ہیں اور ان سے مانوس ہوتے ہیں، ان تمام عالمی، ملکی اور علاقائی زبانوں میں اسلامی لٹریچر کی فراہمی، دعوتی کاموں کی انجام دہی اور اسلامی علوم وفنون کی منتقلی اور پیش کش ہماری ذمہ داری ہے، جسے امت مسلمہ کو ادا کرنا ہے۔

ایک بیرونی سفر میں جدہ ایرپورٹ پر جہاز کے انتظار میں تھا، ایک صاحب میرے قریب آکر بیٹھے، سلام کیا، باہم تعارف ہوا تو معلوم ہوا کہ وہ ہمارے پڑوسی ملک کے باشندہ ہیں، اچھے سرجن ہیں، ایک مدت سے پیرس میں سروس کررہے ہیں، دینی فکر ومزاج کے حامل شخص تھے، میں نے ان سے فرانس کے مسلمانوں کے حالات دریافت کئے، تو باتوں باتوں میں وہ کہنے لگے کہ ہمارے علماء کو اگر کسی غیر ملکی زبان کو سیکھنے اور وہاں دعوتی کاموں کا خیال وجذبہ پیدا ہوتا ہے تو وہ صرف انگریزی زبان ہے، بلاشبہ انگریزی زبان کا دائرہ کافی وسیع ہے، لیکن یہ سمجھنا غلط فہمی ہے کہ تنہا یہی زبان پوری دنیا میں دینی اور دعوتی کاموں کی انجام دہی کے لیے کافی ہے، اب بھی دنیا کے بہت سے ایسے ملک ہیں جہاں یہ زباں عام طور سے نہیں سمجھی جاتی، بلکہ بعض ممالک میں اس زبان سے نفرت کی جاتی ہے، آپ فرانس یا جرمنی چلے جائیں، اسی طرح اور بھی بعض یورپی ممالک میں تو وہاں انگریزی زبان بولنے اور سمجھنے والے خال خال ہی ملیں گے، بلکہ فرانس اور جرمنی والوں کو انگریزی زبان سے نفرت ہے، کوئی اگر ان سے انگریزی میں بات کرنا چاہتا ہے، تو اگر وہ انگریزی سے کچھ واقف بھی ہوں تو بھی اس میں بات کرنا پسند نہیں کرتے، انہیں اپنے ملک کی زبان میں بات کرنے کی چاہت اور خواہش ہوتی ہے، اسی لیے دینی کام کرنے والوں خصوصاً علماء کی ذمہ داری ہے کہ جس ملک میں دینی اور دعوتی کام کرنا ہو وہاں کی زبان میں مہارت پیدا کریں، وہاں کی تاریخ، جغرافیہ اور نفسیات کا مطالعہ کریں۔

اس بات کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہمارے کچھ مدارس اور اداروں نے علماء کو اور دینی و دعوتی کام کرنے والوں کو انگریزی زبان سکھانے اور اس میں مہارت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، یہ کوششیں قابل قدر اور لائق ستائش ہیں، لیکن واقعہ ہے کہ جس سطح پر اور جس معیار کے ساتھ یہ کام ہونا چاہیے، اس سے ہم کافی دور ہیں، اس کے لیے منظم جد و جہد، منصوبہ بندی اور مسلسل کوششوں کی ضرورت ہے، اس سلسلہ میں ہم بطور مثال ڈاکٹر حمید اللہ صاحب مرحوم کا نام لے سکتے ہیں، جنھوں نے پوری زندگی اسلام کی دعوت اور خدمت میں لگائی، انگریزی، عربی اور فارسی کے علاوہ انہوں نے جرمن، فرنچ اور ترکی زبان نیز بعض اور دوسری زبانوں میں مہارت پیدا کی، بلاشبہ وہ بلاد یورپ میں اسلام کے سفیر تھے، انہوں نے مختلف زمانوں میں تصنیف و تحقیق کی خدمات انجام دینے کے ساتھ ترجمۂ قرآن اور سیرت نگاری کے میدان میں بے شمار خدمات انجام دیں، فرانس میں ان کے ہاتھوں ہزاروں افراد نے اسلام قبول کیا۔

بات یہاں سے شروع ہوئی تھی کے علامہ سید سلیمان ندوی نے مدراس میں اپنے پہلے خطبہ کے آغاز میں اپنے اس تاثر کا اظہار کیا تھا کہ:

”میں محسوس کرتا ہوں کہ مدراس کے لیے یہ مناسب تھا کہ یہ لکچر انگریزی میں ہوتے تا کہ ان کے فائدے کا دائرہ زیادہ وسیع ہوتا اور وہ بھی اس میں شریک ہو سکتے اور دلچسپی لے سکتے، جو اردو بالکل نہیں سمجھتے یا پوری طرح نہیں سمجھتے، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ علماء پر آج انگریزی کا جاننا بھی فرض ہو گیا۔“

اور انہوں نے اپنی گفتگو اس دعا کے ساتھ ختم کی ہے:

”خدا کرے وہ دن آئے جب ہمارے علماء خدا کے پیغام کو خدا کی ہر بنائی ہوئی زبان میں دنیا کو پہنچا سکے۔“(۱۶)

خطبات مدراس کے تراجم

دنیا کی بے شمار زبانوں میں اس کے ترجمے شائع ہوئے اور خوب پڑھے گئے، عربی زبان میں اس کا ترجمہ حضرت مولانا محمد ناظم ندویؒ نے الرسالۃ المحمدیۃ کے نام سے کیا جو بہت مقبول ہوا، چند سال قبل مولانا ڈاکٹر رحمت اللہ ندوی نے نیا عربی ترجمہ کیا جو بلاد عربیہ میں شائع ہوا، انگریزی زبان میں اس کتاب کے تراجم ہوئے جو علمی حلقوں میں مقبول ہوئے، اردو کی بہت کم کتابوں کو خطبات مدراس جیسی مقبولیت حاصل ہوئی۔

سید صاحب کی سیرۃ النبی اور خطبات مدارس کے برصغیر ہند و پاک پر اثرات

علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۹۱۴ء) اور علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے سیرت النبی کی شکل میں جو عظیم کارنامہ انجام دیا، اور سیرت نگاری کے میدان میں تحقیق و جستجو کی جو نئی طرح ڈالی، اسی طرح علامہ سید سلیمان

ندوی نے موجودہ حالات وضروریات کوسامنے رکھتے ہوئے خطبات مدراس لکھ کر سیرت نبوی کے سمندر کو مختصر سے کوزہ میں پیش کرنے کا جو کارنامہ انجام دیا ان سب کی گونج نہ صرف برصغیر میں بلکہ پورے عالم اسلام میں اوراس سے آگے بڑھ کرمشرق ومغرب کے تحقیقی اداروں تک پہنچی ،علامہ شبلی نعمانی اور علامہ سید سلیمان ندوی نے اپنی کتب سیرت میں جوافکارونظریات پیش کئے ہیں ان میں سے بعض افکاروتحقیقات سے اختلاف کیا جا سکتا ہے اور کیا بھی گیا ہے ،لیکن سیرت کے میدان میں ان کے عالمی اثرات سے کوئی بھی انصاف پسند شخص انکار نہیں کرسکتا ،مستشرقین کی جانب سے اوران کے خوشہ چیں مسلمان اہل قلم کی طرف سے سیرت نبوی پر جوبھی اعتراضات کئے گئے تھے اوراورجس طرح کی تنقیدیں اورنکتہ چینیاں سامنے آچکی تھیں اوران سب کا بہت محققانہ اورمنصفانہ جائزہ علامہ شبلی نعمانی اورعلامہ سیدسلیمان ندوی کی کتب سیرت میں موجود ہے،اگرکوئی شخص تعصب کی عینک ہٹا کرانصاف پسندی اورمعروضیت کے ساتھ ان دونوں بزرگوں کی تحریروں کا مطالعہ کرے گا تو اسے اس بات کا اعتراف کرنا ہوگا کہ اس وقت تک سیرت نبوی کے حوالہ سے جواعتراضات پیش کئے جارہے تھے اور جوسوالات پیش کئے جارہے تھے ان کا سنجیدہ اور تحقیقی جواب ان دونوں بزرگوں کی تصانیف اورمضامین میں موجود ہے۔

اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دبستان شبلی کی جانب سے سیرت نبوی پران گرانقدر کاموں کا یہ اثر ہوا کہ پورے برصغیر میں دورحاضر کی ضروریات کے مطابق سیرت نبوی پر تیزی کے ساتھ بیش قیمت لیٹریچر سامنے آتا گیا،ان تحقیقی اورتجزیاتی کتابوں کی فہرست سازی ایک طویل کام ہے،جوعلامہ شبلی نعمانی اورعلامہ سیدسلیمان ندوی کی تحریک سیرت نگاری سے کلایا جزءاً متاثر ہوکر وجود میں آئیں ،اورانہوں نے سیرت نبوی ﷺ کے مختلف گوشوں کوروشن کیا،بطور مثال چندکتابوں کا نام لیا جاسکتا ہے،حضرت مولانا عبدالرؤوف داناپوری کی ’’اصح السیر‘‘ قاضی محمد سلیمان منصورپوری کی ’’رحمۃ للعالمین‘‘ مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ’’سیرۃ المصطفیٰ‘‘ ،مولانا مناظراحسن گیلانی کی سیرت نبوی پرالبیلی کتاب ’’النبی الخاتم‘‘ ،ڈاکٹرحمیداللہ حیدرآبادی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت نبوی پرمختلف کتابیں،اسی سلسلہ کی اہم ترین کڑیاں مفکراسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی ’’نبی رحمت‘‘ اورحضرت مولانا محمد رابع حسنی ندویؒ کی ’’رہبرانسانیت‘‘ بھی ہیں،جنھیں ہم علامہ شبلی نعمانی اورعلامہ سیدسلیمان ندوی کے ذریعہ شروع کردہ سیرت نگاری کا امتداد قراردے سکتے ہیں۔

ماہنامہ نقوش لاہور لاہور کا رسول نمبر،جوایک عظیم انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت رکھتا ہے جوتیرہ جلدوں پر مشتمل ہے، سیرت نبوی کے مختلف موضوعات پرڈاکٹریٰسین مظہرصدیقی ندوی مرحوم کی تصنیفات اسی زمرہ میں شامل ہیں،اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی ۱۹۸۲ءمیں دارالمصنفین اعظم گڑھ میں منعقد ہونے والا ’’استشراق اور مستشرقین‘‘ پرسیمینارتھا جس کا ایک اہم ترین موضوع سیرت نبوی پر مستشرقین کی تنقیدات واعتراضات کا جائزہ تھا،اس سیمینار میں

پیش ہونے والے تمام مقالات کتابی صورت میں دارالمصنفین اعظم گڑھ سے کئی جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں، اوران کا عربی ترجمہ بھی بلاد عربیہ سے شائع ہو چکا ہے۔

اہم اور ضروری کام

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے جس ماحول اور پس منظر میں اور جن مقاصد کے لئے خطبات مدراس پیش کئے تھے ان کا ذکر پہلے آچکا ہے، اس بات کی اہم ضرورت تھی اور ہے کہ اس طرح کے خطبات نہ صرف ایک بار اور ایک ہی بڑے شہر میں پیش کئے جاتے اوران کا اہتمام ہوتا بلکہ ضرورت اس کی تھی کہ اہم اور بڑے شہروں میں بلکہ متوسط شہروں اور قصبات میں بھی کم از کم سال بہ سال ایسے مؤثر اور فکر انگیز خطبات مسلمانوں اور غیر مسلموں کے سامنے پیش کئے جاتے ، جن میں سیرت نبوی کے صحیح خدوخال لوگوں کے سامنے آتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام تمام انسانوں تک پہنچتا اور معاندین اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زندگی اور منصفانہ تعلیمات کے بارے میں جو غلط فہمیاں پیدا کررہے ہیں اور جو شکوک وشبہات مسلمانوں یا غیر مسلموں کے دل ودماغ میں پیدا کررہے ہیں، انہیں سنجیدگی، متانت اور تحقیق کے ساتھ دور کیا جائے ، اسلوب مناظرانہ نہ ہو، بلکہ داعیانہ اور حکیمانہ ہو جیسا کہ خطبات مدراس میں نظر آتا ہے، اگر یہ کام مختلف شہروں اور علاقوں میں انجام دیا جاتا تو اس کے بڑے مثبت اثرات نظر آتے ، اسلام کا صحیح پیغام لوگوں تک پہنچتا، اور سیرت نبوی کے راستے سے ہدایت کی راہیں روشن ہوتیں، اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں نفرت وعناد کا ماحول ختم ہوتا، اور عقیدۂ توحید غیر مسلموں کے دلوں میں بھی دستک دیتا۔

ہندوستان کے موجودہ حالات

اس کلیدی خطبہ کو ختم کرنے سے پہلے میں ہندوستان کے موجودہ سیاسی اور سماجی حالات سے آنکھیں بند نہیں کرسکتا، خصوصا پورے ملک میں اقلیتیں خصوصا مسلمان اور عیسائی، دلت اور آدی واسی جن حالات سے گذر رہے ہیں، ان کی طرف اشارہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں، سیاسی مفادات اور مقاصد کے لئے دستور ہند میں دئے گئے بنیادی حقوق کو پامال کیا جارہا ہے، مسلمانوں کے خلاف منافرت اور تشدد کو فروغ دیا جارہا ہے، ہمارا عدالتی نظام بھی عدل و انصاف قائم کرنے اور دستوری حقوق کی نگہبانی میں کوتاہی کررہا ہے، یہ صورت حال ملک ہندوستان اور ہندوستانی قوم کے لئے انتہائی تشویشناک ہے، حالات کو درست کرنے اور اس جمہوری اور دستوری ملک کی گاڑی کو پٹری پر لانے کے لئے عظیم جدوجہد اور قربانی کی ضرورت ہے۔

ملک کی آزادی سے پہلے جب آزادی کی جدوجہد شباب پر تھی ملک کے مختلف حصوں میں ہندو مسلم منافرت کا ماحول پیدا کردیا گیا تھا، فرقہ وارانہ تشدد کے واقعات ہورہے تھے تو گاندھی جی نے اس کے خلاف دہلی میں برت رکھا ہے اس موقع پر دہلی میں ستمبر، اکتوبر ۱۹۲۴ء میں تقریباً ایک ہفتہ کی ’’اتحاد کانفرنس‘‘ منعقد ہوئی، جس میں ہندوؤں اور

مسلمانوں کی مذہبی اور سیاسی قیادت نے بڑی تعداد میں شرکت کی اور طویل مذاکرات کے بعد اس وقت کے حالات سے متعلق اتفاق رائے سے تجاویز منظور ہوئیں، اس کے بعد گاندھی جی نے اپنا برت توڑا، اس کانفرنس میں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب، اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی وغیرہم کے ساتھ حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ بھی شریک تھے، انھوں نے اس اتحاد کانفرنس کے بعد ماہنامہ معارف اعظم گڑھ کے شذرات میں لکھا:

ہندو مسلم اتحاد

ستمبر کے آخر میں ہفتہ میں دہلی میں جو مجلس اتحاد منعقد ہوئی اس نے اپنے جانتے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان جو نزاعی امور پیدا ہیں، ان پر پوری طرح غور کیا اور ان کے متعلق فیصلے صادر کیے، لیکن ہم نے جلسہ کے اندر اور باہر بھی جہاں تک غور کیا، تمام رہنمایان ملک کے خیالات ان نزاعات کے صرف ظاہری اور سطحی اسباب پر مشتمل پائے، شاید اس لیے کہ زخم میں زیادہ گہرا نشتر نہ دیا جائے، جو تکلیف کا موجب ہو، صرف اوپر کی جلد کا صاف کردینا کافی سمجھا گیا، لیکن یہ خیال نہیں کیا گیا کہ اوپر سے زخم اس طرح مندمل بھی ہوجائے گا، تو ڈر ہے کہ اندر اندر موجودہ محدود زخم آئندہ تمام جسم کو اپنے زہر سے پر مواد نہ کردے۔

ہمارے نزدیک ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی نزاعات اس وقت تک ختم نہیں ہوسکتے، جب تک کہ دونوں قومیں ۱۸۵۷ء کے خاتمہ پر اپنے فاتحانہ اور مفتوحانہ جذبات، سزا وانتقام کو ختم نہ کردیں اور اپنی تاریخ کا نیا دور نہ شروع کردیں، جس میں گذشتہ آٹھ صدیوں کے تلخ واقعات کی یاد قطعاً موقوف کردی جائے اور مستقبل کی اصلاح ودرستی کی خاطر حال کو ماضی کی تکرار میں برباد نہ کیا جائے۔

ہر قوم کی حکومت کی تاریخ میں اچھے اور برے، منصفانہ اور ظالمانہ دونوں قسم کے واقعات ملتے ہیں، اس کلیہ سے ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کی تاریخ بھی خالی نہیں، مگر ملک کی بھلائی اس میں نہیں ہے کہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر مسلمانوں کی حکومتوں کی کچھ واقعی برائیاں اور کچھ گھڑ کر مفروضہ افسانے یکجا کیے جائیں، اور وہ انجمنوں کے جلسوں میں، لڑکوں کے مدرسوں میں، مطالعہ کی کتابوں میں، اخبارات کے کالموں میں، روزمرہ کی گفتگوؤں میں کھیل کود اور تماشے کے ناٹکوں میں اس طرح بار بار دہرائے جائیں کہ وہ بچہ بچہ کی زبان پر چڑھ جائیں، دونوں قوموں کے درمیان ایک غیر مختتم تلخی اور ناگواری اور بدگمانی اور عداوت راسخ ہوجائے۔

واقعات کی حیثیت سے نظر کیجیے تو معلوم ہوگا کہ ہندو اکابر نے اپنی قوم کو جنبش اور حرکت میں لانے کے لیے یہ ضروری سمجھا کہ قوم کی نفرت اور عداوت کے جذبات کو مشتعل کیا جائے اور اس کے

لیے مسلمانوں کو منتخب کیا، ان کا فاتحانہ جرم اقدام اس کے لیے بہترین مسالہ پیدا کرسکتا تھا، اس طرح مذہبی اور سیاسی دونوں حیثیتوں سے مواد یکجا کیا گیا اور اس کو تمام ملک میں ہندوؤں کے درمیان پھیلایا گیا، مذہبی حیثیت سے سوامی دیانند جی نے اور سیاسی حیثیت سے تلک مہاراج نے مسلمانوں کے خلاف ایک جہاد عظیم کا سامان فراہم کیا، تمام ملک میں دیانند جی کی ستیارتھ پرکاش کی تبلیغ کی گئی، جس میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہر ممکن دلیل سے ہندو قوم کو آمادۂ جنگ کیا گیا ہے، بڑے بڑے شہروں سے لے کر چھوٹے چھوٹے قریوں تک میں آریہ سماج کا جال پھیلایا گیا، ان کے ہفتہ وار، ماہوار اور سالانہ جلسوں میں مقررین کا بہترین موضوع اسلام اور مسلمانوں کو برا بھلا کہنا، مسلمان سلاطین کے جھوٹے مظالم گنانا، اور مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں کے جذبات کو بھڑکانا قرار دیا گیا، ان کے اخبارات، رسائل اور کتابوں میں باقاعدہ اسلام، بزرگان اسلام، انبیائے اسلام اور سلاطین اسلام کے خلاف سب وشتم کا سلسلہ قائم کیا گیا اور اس طرح ملک کے طول وعرض میں مسلمانوں کے خلاف ایک وسیع تنظیم کھڑی کی گئی۔

تلک مہاراج نے عام ہندوؤں اور خصوصاً مہاراشٹر کے بہادروں کے مردہ جذبات میں نئی امنگ پیدا کرنے کے لیے شیواجی اور عالمگیر کی مری ہوئی ہڈیوں کو اکھاڑنا شروع کیا، شیواجی کو قومی ہیرو بنایا گیا، اس کے مقابل میں عالمگیر کو ہر ظلم اور برائی کا مصدر ٹھہرایا گیا، واقعات گھڑے گئے، تاریخیں بنائی گئیں، جعلی تحریریں بنانے کے کارخانے قائم کیے گئے، جھوٹے افسانے، ناٹک اور ناول لکھے گئے، ان کے دارالاشاعت قائم ہوئے، تھیٹروں اور تماشا گاہوں میں ان کی نقلیں دکھائی گئیں اور یہ سلسلہ مرہٹی سے شروع ہو کر گجراتی و بنگالی تک میں پھیل گیا اور اس زہریلے لٹریچر نے تمام ہندو نوجوانوں کے دل ودماغ کو مسموم کردیا، اور اس طرح ملک میں اب تک یہ نظام عمل پوری طرح قائم اور جاری ہے۔

اس سے بڑھ کر یہ کہ بڑے بڑے ہندو اہل قلم نے قصداً ایسی کتابیں اور تحریریں لکھیں اور اب تک لکھ رہے ہیں، اور اس کام میں انگریز اہل قلم نے بھی ان کی پوری مدد کی، بلکہ رہنمائی کی، جن میں مسلمانوں کے عہد حکومت کو ہر طرح بدنام کرنے کی کوشش کی اور مسلمان سلاطین پر غلط الزامات قائم کیے اور ہندوؤں پر ان کے ان گنت مظالم کو سلیقہ کے ساتھ اوراق میں ترتیب دے کر ان کو مدارس کے نصاب تعلیم میں داخل کیا گیا ہے، جس کے ذریعہ سے تعلیم یافتہ ہندو نوجوانوں کے خیالات مسلمانوں کی طرف سے تاریخی طور سے ہمیشہ کے لیے برے کردیے گئے۔

ہندوستان کی ان دونوں قوموں میں نفاق ڈالنے کی کوشش گوتیسری قوم کی طرف سے شروع کی گئی، مگر بہت جلد دوسری قوم نے اس کو اپنا کام بنالیا اور اس طرح اے، بی، سی، ڈی کے آغاز سے آخر تعلیم تک ایک ہندو نوجوان کو مسلمانوں کے ساتھ اتحاد کے خلاف ایسی باقاعدہ تعلیم دی گئی ہے، جس سے پاک وصاف رہ کر اگر اب بھی کچھ تعلیم یافتہ ہندو مسلمانوں کے ساتھ اتحاد کے خواہاں ہیں، تو یہ صرف فطری صلاحیت کی پکار ہے۔ ورنہ ماحول کا یہ اقتضا تو ہرگز نہیں۔

اب ہمارا سوال ہے کہ ان حالات میں جب مسلمانوں کے خلاف نفرت وعداوت کی اشاعت اور تبلیغ کے لیے آریہ سماج کا پورا نظام قائم ہے اور اس قسم کے لٹریچر کی کم از کم تیس چالیس برس سے عام اشاعت ہے، ناٹکوں اور افسانوں، سنجیدہ مضامین اور مصنفین کی کتابوں کے ذریعہ سے ان کی تبلیغ ہے، کیا مسلمانوں کی طرف سے کوئی ایسا نظام سلسلۂ کتب، دارالاشاعت، مقررین کا گروہ ہے، انجمنوں کی تنظیم، اہل قلم کی کوششیں، ناٹک اور افسانے، مدارس ومکاتب کے نصاب تعلیم کوئی چیز ایسی موجود ہے، جس کا مقصد مسلمانوں میں ہندوؤں کی طرف سے نفرت اور عداوت کے جذبات کی باقاعدہ پرورش اور نشوونما ہو، مسلمانوں کی طرف سے جو کچھ ہے مدافعانہ ہے۔

فروری ۱۹۲۰ء میں جب وفد خلافت یورپ جارہا تھا، تو اتفاق سے پہلے جنم کے مشہور آریہ سماجی لیڈر لالہ لاجپت رائے چھ سات برس کے بعد امریکہ سے ہندوستان آرہے تھے، مصوع کے افریقی بندرگاہ میں ہم دونوں کا اجتماع ہوا، اور ہندوستان کی موجودہ صورت حال یعنی ہندو مسلمانوں کے روز افزوں اتحاد کا ذکر آیا، میں نے کہا کہ اب ہندوستان میں آریہ سماجی تحریک کی گذشتہ روش (پالیسی) میں انقلاب کی ضرورت ہے، تاکہ ہندوؤں میں مسلمانوں کی طرف سے نفرت اور عداوت پھیلانے کی سرگرمیوں کی جگہ مصالحت اور اتحاد کی اشاعت ہوسکے، لالہ جی نے اس خیال کی تائید کی مگر اخیر اکتوبر کی مجلس اتحاد میں جب مالوی جی کے اشارہ سے لالہ جی نے اپنی مشہور ترمیم متعلق اعلان حقوق (یعنی ہر شخص کو مذہبی آزادی ہو، مسلمان جس جانور کو جہاں چاہیں ذبح کرسکیں وغیرہ) کو تعویق میں ڈالنے کی غرض سے پیش کی، تو اس وقت ان کا وہ خیال جو مصوع میں ظاہر کیا گیا تھا، معلوم ہوتا تھا کہ ان کے ساتھ سمندر پار سے ہندوستان نہ آسکا۔

اس تفصیل سے اب یہ واضح ہوگیا ہوگا کہ اگر ہم ہندو مسلمانوں کے نزاعات کا واقعی خاتمہ کرنا چاہتے ہیں اور اس بدنصیب ملک میں خون کی ندیوں کے بدلے جوئے محبت بہانا چاہتے ہیں، تو اس کا اصلی علاج یہ ہے کہ آریہ سماجی روش میں تبدیلی کی جائے، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو تبلیغ اور پروپیگنڈا پورے

نظام کے ساتھ تقریروں، تحریروں، کتابوں، رسالوں، اخباروں، تماشوں، ناٹکوں، افسانوں اور تاریخوں کے ذریعہ پھیلایا جا رہا ہے، ان کو یک قلم بند کیا جائے، اس کے ساتھ لازماً مسلمانوں کی مدافعانہ کوششیں بھی خود بخود بند ہو جائیں گی، آریہ سماجی مقررین اور محررین، اپنے بیانوں اور گفتگو کا موضوع اپنے مذہب کی خوبیوں اور اچھائیوں کا اظہار قرار دیں، دوسرے مذاہب کو سب وشتم نہیں اور اسی طرح ہندو اور مسلمان اہل قلم تاریخ ہند کے اسلامی دور کے وہ واقعات تلاش اور یکجا کریں، جن سے دونوں میں مصالحانہ روح کی ترقی ہو۔(۱۷)

اس خطبہ کو میں حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کے خطبۂ صدارت اجلاس کانگریس رام گڑھ ۱۹۴۰ء کے ایک وقیع اور فکر انگیز اقتباس پر ختم کرتا ہوں، مولانا آزاد لکھتے ہیں:

میں مسلمان ہوں اور فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ مسلمان ہوں، اسلام کی تیرہ سو برس کی شاندار روایتیں میرے ورثے میں آئی ہیں، میں تیار نہیں کہ اس کا چھوٹے سے چھوٹا حصہ بھی ضائع ہونے دوں، اسلام کی تعلیم، اسلام کی تاریخ، اسلام کے علوم وفنون، اسلام کی تہذیب میری دولت کا سرمایہ ہے اور میرا فرض ہے کہ اس کی حفاظت کروں، بحیثیت مسلمان ہونے کے مذہبی اور کلچرل دائرے میں اپنی ایک خاص ہستی رکھتا ہوں اور میں برداشت نہیں کر سکتا کہ اس میں کوئی مداخلت کرے، لیکن ان تمام احساسات کے ساتھ میں ایک اور احساس بھی رکھتا ہوں جسے میری زندگی کی حقیقتوں نے پیدا کیا ہے، اسلام کی روح مجھے اس سے نہیں روکتی، وہ اس راہ میں میری رہنمائی کرتی ہے، میں فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ میں ہندستانی ہوں، میں ہندستان کی ناقابل تقسیم متحدہ قومیت کا ایک عنصر ہوں، میں اس متحدہ قومیت کا ایک اہم عنصر ہوں جس کے بغیر اس کی عظمت کا ہیکل ادھورا رہ جاتا ہے، میں اس کی تکوین کا ایک ناگزیر عامل Factor ہوں، میں اپنے اس دعوی سے کبھی دست بردار نہیں ہوسکتا۔

ہندستان کے لیے قدرت کا یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ اس کی سرزمین انسان کی مختلف نسلوں، مختلف تہذیبوں اور مختلف مذہبوں کے قافلوں کی منزل ہو، ابھی تاریخ کی صبح نمودار بھی نہیں ہوئی تھی کہ ان قافلوں کی آمد شروع ہوگئی اور پھر یکے بعد دیگرے سلسلہ جاری رہا، اس کی وسیع سرزمین سب کا استقبال کرتی رہی اور اس کی فیاض گود نے سب کے لیے جگہ نکالی، ان ہی قافلوں میں آخری قافلہ ہم پیروان اسلام کا بھی تھا، یہ بھی پچھلے قافلوں کے نشان راہ پر چلتا ہوا یہاں پہنچا اور ہمیشہ کے لیے بس گیا، یہ دنیا کی دو مختلف قوموں اور تہذیبوں کے دھاروں کا ملان تھا، یہ گنگا اور جمنا کے دھاروں کی طرح پہلے ایک دوسرے سے الگ بہتے رہے، لیکن پھر جیسا کہ قدرت کا اٹل قانون ہے دونوں کو ایک سنگم میں

مل جانا پڑا، ان دونوں کا میل تاریخ کا ایک عظیم واقعہ تھا، جس دن یہ واقعہ ظہور میں آیا اس دن سے قدرت کے مخفی ہاتھوں نے پرانے ہندستان کی جگہ ایک نئے ہندستان کے ڈھالنے کا کام شروع کردیا، ہم اپنے ساتھ اپنا ذخیرہ لائے تھے اور یہ سرزمین بھی اپنے ذخیروں سے مالا مال تھی، ہم نے اپنی دولت اس کے حوالے کردی اور اس نے اپنے خزانوں کے دروازے ہم پر کھول دیے، ہم نے اسے اسلام کے ذخیرہ کی سب سے زیادہ قیمتی چیز دے دی جس کی اسے سب سے زیادہ احتیاج تھی، ہم نے اسے جمہوریت اور انسانی مساوات کا پیغام پہنچادیا۔

تاریخ کی پوری گیارہ صدیاں اس واقعہ پر گزر چکی ہیں، اب اسلام بھی اس سرزمین پر ویسا ہی دعویٰ رکھتا ہے جیسا دعوی ہندو مذہب کا ہے، اگر ہندو مذہب کئی ہزار برس سے اس کے باشندوں کا مذہب رہا ہے تو اسلام بھی ایک ہزار برس سے اس کے باشندوں کا مذہب چلا آتا ہے، جس طرح آج ایک ہندو فخر کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ وہ ہندستانی ہے اور ہندو مذہب کا پیرو ہے، ٹھیک اسی طرح ہم بھی فخر کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ہم ہندستانی ہیں اور مذہب اسلام کے پیرو ہیں، میں اس دائرہ کو اس سے زیادہ وسیع کروں گا، میں ہندستانی مسیحی کا بھی یہ حق تسلیم کروں گا کہ وہ آج سر اٹھا کے کہہ سکتا ہے کہ میں ہندستانی ہوں اور باشندگان ہند کے ایک مذہب یعنی مسیحیت کا پیرو ہوں۔(۱۸)

حواشی:

۱۔افکار سلیمانی ۳۸۹۔۳۸۲

۲۔مطالعۂ سلیمانی ص ۱۵

۳۔معارف سید سلیمان نمبر،ص ۱۸۵

۴۔معارف سید سلیمان نمبر ۱۹۰

۵۔مطالعۂ سلیمانی صفحہ ۳۲۰

۶۔مطالعۂ سلیمانی ص ۳۲۱

۷۔مطالعۂ سلیمانی ص ۳۲۲

۸۔مطالعۂ سلیمانی ص ۳۲۳

۹۔مضمون: مولانا سید سلیمان ندوی میری نظر میں،، معارف علامہ سید سلیمان ندوی نمبر مئی ۱۹۵۵

۱۰۔خطبات مدراس طبع سوم،ص ۴۔۵

۱۱۔خطبات مدراس،صفحہ ۵۔۶،طبع سوم

۱۲۔خطبات مدراس تیسرا ایڈیشن ص ۳

۱۳۔خطبات مدراس،ص ۲و۳

۱۴۔برید فرنگ،ص:۵۸

۱۵۔مقالہ مولانا مفتی ذکاوت حسین استاذ مدرسہ امینیہ دہلی، بعنوان: مدرسہ امینیہ دہلی کے اولین صدر المدرسین حضرت علامہ انور شاہ کشمیری کا قیام دہلی اور تدریسی خدمات،ص ۳۶و۳۷

۱۶۔خطبات مدراس،صفحہ ۳،تیسرا ایڈیشن

۱۷۔معارف ،خصوصی شمارہ بعنوان: ہندوستانی مسلمان شذرات معارف کے آئینہ میں، حصہ اول،ص ۳۵ تا ۳۸ ، دارالمصنفین ،اعظم گڑھ

۱۸۔خطبات آزاد حصہ اول(قبل آزادی کانگریس کے صدارتی خطبات)ص ۵۲۴و۵۲۵،شائع کردہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی